پھر اپنے ذہنی میلان کی ابتدا کا افسانہ دہرا کر ملکی حالات کی کشمکش قومی معاملات کی ہیروں جماعت احرار کی جدوجہد اور اپنے کردو عمل کی صراحت کی ہے جس سے ہمیں ہندوستان کی سیاست کی تاریخ کے لئے بہتر مواد ملتا ہے۔

یہ کہنا تو غلط ہوگا کہ اس میں ان کی زندگی کے سارے خطوط ہیں، البتہ ان کی زندگی کا مرکزی خط (Main Point) ضرور ہے، اور اسی نقطے کے اردگرد انہوں نے اپنے سوانح زندگی بیان کئے ہیں۔

بہرکیف میرا افسانہ کے مطالعہ سے تاریخ احرار کا دماغ سمجھ میں آجاتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ چودھری صاحب کا اصل مقام کیا تھا ــــــ!!

حکیم آزاد انصاری مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

اس کو ناقدری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مرگئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

مسلمانوں کا عالم تو یقیناً اس سے مختلف نہیں۔ وہ اپنے زعماء کو زندگی میں رلاتے ہیں اور ان کی موت پر خود رونا شروع کرتے ہیں ــــ!!

چودھری صاحب مرحوم اُنچاس برس کی عمر میں اٹھ گئے۔ اب اُن کی ضرورت کا احساس روز بڑھ رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے جمود اور ناسمجھی نے کوئی کروٹ نہیں لی۔ اُن کی حالت مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں بدستور یہی ہے کہ ان کی میندوں کی سنگینی کے آگے پتھروں کے دل بھی پھوٹ گئے ہیں۔

اگرچہ چودھری صاحب قنوطی نہ تھے۔ لیکن شاید اب ان کی روح یہ کہتی ہو ؎

اچھا ہُوا کہ زندگی اک مختصر ملی
ورنہ اُمید و یاس کا قصہ دراز تھا

صوفی کاشمیری جو بالطبع قنوطی ہیں، پھڑک اُٹھے اور پھر کچھ سوچ کر یہ شعر پڑھا ؎

موت بھی بابِ حیات جاوداں ہے اے خدا
ختم بھی ہوگی کہیں یہ داستانِ زندگی

میں یہی بات کہہ چکا تھا، مولانا مظہر علی صاحب اظہر نے فرمایا زندگی شاعری نہیں مسلسل فرض ہے، عاجز صاحب نے کہا، زندگی غالباً موت کی منزل تک پہنچنے کے ایک سفر کا نام ہے، شیخ صاحب ــــ نے فانی کا شعر سنایا ؎

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

مولانا محمد گلشیر نے فرمایا، زندگی انسان کے پاس قدرت کی طرف سے ایک امانت ہوتی ہے۔

صوفی نے کہا زندگی انفاس کی نعمت ہے۔

شاہ جی اب تک خاموشی سے سن رہے تھے فرمایا زندگی جدوجہد سے عبارت ہے، اسے ہم روح کا لباس بھی کہہ سکتے ہیں، انسان اپنا میلے معاملہ میں مجاز ہے اُجلا رکھے یا میلا کردے ــــ پھر چودھری افضل حق کی آویزاں تصویر پہ نگاہ کی اور گرامی کا یہ شعر اپنے مخصوص لحن میں پڑھا

محبت ایں چنیں عاشق نوازی ایں چنیں باید
زدی آتشی، نشستی، سوختی، انداختی رفتی

اتنے میں کچھ اور دوست بھی آگئے اور باتوں کا رخ جماعتی معاملات کی طرف پلٹ گیا۔ صوفی نے مجھ سے چودھری صاحب کے سوانح حیات لکھنے کی تاکید کی۔ یہ پریشان تاثرات اس ارادے کی ایک کڑی ہیں

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے ؎
شعلۂ عشق سیہ پوش ہُوا تیرے بعد

بقیہ از صـــ ۲۹

نا من رضی رسول اللہ صلی اللہ وسلم لدیننا فبایعنا ابا بکر۔

[ازالۃ الخفاء صـــ ۶۸ ج ۱]

پیشوائی کیلئے اس شخص کو پسند کرلیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کیلئے پیشوا ہونا پسند فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کو حق سمجھ کر ہم نے ابوبکر کی بیعۃ کرلی۔

یہ ہے بیعۃ سقیفہ کی حقیقت اور اس پہ حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی مہر تصدیق۔

(باقی آئندہ)

سید عطاء المحسن بخاری

آخری قسط

تاسیسِ احرار اور اُس کا پس منظر

اور ان سب پر حضرت سید احمد بریلوی قدس سرہ کو امیر مقرر فرمایا اور پورے ہندوستان میں حضرت مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ کی محنت کا ثمر سید احمد کے گرد مجتمع ہو گیا۔ سید صاحب نے صحابہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کیا اور سب سے پہلے جس طبقۂ خبیثہ کے قلع قمع کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ وہ سکھ تھے اس فیصلہ کی وجہ واضح تھی کہ مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں، رافضیوں اور انگریزوں کی ملی بھگت سے سکھ سامنے آیا اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا لہٰذا سب سے پہلے اسی دشمن سے نمٹنا از حد ضروری تھا۔ شاہ صاحب نے اُنہیں آڑے ہاتھوں لیا لیکن سرداری کے بھوکے پٹھانوں نے سکھوں سے مال کھا کر سید صاحب کی تحریکِ جہادِ اسلامی کو بالاکوٹ میں پیوندِ خاک کر دیا۔ مئی ۱۸۳۱ء کے اس خونیں حادثہ سے لیکر ۱۸۵۷ء تک کا پیریڈ انگریز کی وفاداری کے حصول کا زمانہ ہے فرنگی نے نہایت مکاری سے رافضی نوابوں، ہندو راجوں کو عہدوں جاگیروں اور باہمی اعانت سے رام کیا، پٹھانوں کو مال دیکر سکھوں سے توڑا جب سکھ اور مسلمان دونوں طاقتیں بے جان ہو گئیں تو اس نے دونوں سے اقتدار اور اجتماعی طاقت چھین کر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلم راج کا خاتمہ کر دیا مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ کو پارہ پارہ کرنے کے بعد فرنگی نے مذہبی طبقاتی کشمکش کی بنیاد رکھی مسلمان جو فی الحقیقت مر چکا تھا مگر اپنی بقا کی جنگ میں کسی نہ کسی طرح مصروف تھا وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے گرد جمع ہو گیا۔ پٹھانوں میں کچھ حریت پسند پیدا ہوئے وہ بھی اپنی ارادت کا کشکول لئے اسی حلقہ میں آ گئے۔ ان بہادر بزرگوں نے چند ایک جنگی معرکے سر کئے لیکن بالآخر طاقت کے سامنے سُپر انداز ہو گئے اور پھر سے مجدد صاحب اور شاہ ولی رحمہما اللہ کے نقش کو لائحہ عمل بنا کر مدارس کے نظام کو قائم کیا تاکہ علمی و فکری اجتماعیت پیدا کی جا سکے۔ اس میں ان بزرگوں کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور ہندوستان کو پھر سے ایک شخصیت مل گئی، مولانا محمود حسن اسیر مالٹا رحمہ اللہ میدانِ عمل میں آئے اور اُنہوں نے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ زمین اور مسلم حکومت کے قیام کیلئے فکرِ نو کی بنیاد رکھی۔ اس فکری جنگ میں دیوبند میں قائم ہونیوالے مدرسہ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جو رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ

ہے۔ "ریشمی رومال کی تحریک" کا خوفناک تجربہ کیا گیا مگر اپنے نمک حراموں نے اسے سبوتاژ کیا اور تحریک مرگئی۔ مولانا محمود حسن ۱۹۲۱ء میں انتقال کرگئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ۶۵ برس کے عرصہ میں فرنگی مذہبی طبقاتی کشمکش کو عروج پر لے جاچکا تھا مرزا غلام احمد قادیانی مہدویت سے لیکر نبوت و رسالت تک کی منزلیں طے کرچکا تھا۔ ہندوستان میں ایک مضبوط مالدار اور سرکار برطانیہ کا وفادار خطاب یافتہ طبقہ غلام احمد کو نبی مان چکا تھا۔ ہندوستان کے جاگیردار اور سرمایہ دار پہلی جنگ عظیم میں گورنمنٹ برطانیہ کو دو کروڑ روپے چندہ دیکر خود کو مزید مہربانیوں کا مستحق ثابت کرچکے تھے اور غلام احمد قادیانی ان سب کا سرخیل تھا۔ اس خاندان کی سرگرمیاں ۱۸۳۸ء سے لیکر اب تک فرنگی اور سکھوں سے وفاداری پر مشتمل تھیں اور اب مسلمانوں کو بالکل انوکھے دشمن کا سامنا تھا یہ ایسا دشمن تھا جس نے عیسائیوں سے مناظرے کرکے بے خبر مسلمانوں حتیٰ کہ بعض اہلحدیث علماء کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا اور در پردہ سیاسی وفاداریوں اور مجاہدین کی مخبری سے فرنگی حکومت سے تحفظات بھی حاصل کرتا رہا اور تبلیغ اسلام کے نام پر ٹوڈی اور ٹائوٹ مسلمان جاگیرداروں سے مال بھی حاصل کرتا رہا۔

مجلس احرار اسلام کا قیام:

مولانا محمود حسن کی وفات کے قریب پنجاب میں تحریک خلافت کی گمنام تہ میں چند پنجابی ایسے اُبھرے جنہوں نے فرنگی استعماری حربوں کا بغور جائزہ لیا اور سابقہ تحریکوں کو ناکام کرنے والے عناصر کی پہچان بھی حاصل کی ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق، حبیب الرحمٰن لدھیانوی، شیخ حسام الدین، مظہر علی اظہر، ماسٹر تاج الدین انصاری انتہائی اہم شخصیات ہیں۔ اللہ کی حکمت نے ان سب کو فکری وحدت میں پرو رکھا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں انہیں عملی یگانگت میں بھی مجتمع کردیا۔ یہ سب بزرگ ۱۹۲۱ء میں جیلوں کی زندگی میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوگئے، افہام وتفہیم کے مواقع میسر آگئے۔ اور ہندوؤں، رافضیوں، انگریز کے ٹوڈیوں اور مرزائی گماشتوں پر گفتگو اور بحث وتمحیص کے نتیجہ میں انھوں نے اپنی اجتماعی جدوجہد کو الگ سے شروع کرنیکا فیصلہ کیا اور پھر شاہ ولی اللہ کی فراہم کی ہوئی بنیادوں کو ترجیح دیتے ہوئے آگے بڑھے اور دسمبر ۱۹۲۹ء میں پہلی غیر رسمی میٹنگ میں مسائل پر اجتماعی گفتگو کی اور طے پایا کہ "مجلس احرار اسلام" کے نام سے جدوجہد آزادی کی جنگ لڑی جائے۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مدرسہ نصرۃ الحق امرتسر میں پڑھتے تھے جہاں انہوں نے موقوف علیہ تک کتابیں پڑھیں۔

———— مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا داؤد غزنوی رحمہا اللہ سے مستفید ہوئے۔ مولانا ظفر علی خان کا "ستارہ صبح" زیرِ نگاہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال" سے فکری استواری حاصل کی۔ جلیانوالہ باغ کے خونیں حادثہ اور ترکوں پر انگریزوں کے مظالم نے برانگیختہ کیا اور آپ مدرسہ و مسجد کے دائرہ سے نکل کر اجتماعی جدوجہد کی پُرخار وادی میں اُتر گئے۔ مولانا حبیب الرحمان نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغ حاصل کی۔ مولانا محمود حسن اور اُن کی جمعیت الانصار کی باقیاتِ صالحات سے متاثر ہوئے، استفادہ کیا اور اسی خارزار جدوجہد کو اپنے لئے منتخب کیا۔ شیخ حسام الدین نے بی اے کیا اور جلیانوالہ باغ میں ظلم، جور و جفا اور قتل و غارت گری نے فرنگی استعمار کے خلاف انتقامی جذبوں کو اُبھارا۔ تحریکِ خلافت کے زعماء کرام نے ان جذبوں کی سمت درست کی اور شیخ صاحب بھی مضبوط قدم اُٹھاتے ہوئے انہی لوگوں کی حکمتِ عملی میں شریک ہو گئے چودھری افضل حق نے ایف اے کیا۔ پولیس میں بھرتی ہوئے مگر صدق و کذب اور حق و باطل کی ٹھن گئی۔ برطانوی ہند میں ٹوڈیوں اور پولیس کے مشترکہ مظالم آنکھوں سے دیکھے اور اہلِ حق کی مظلومیت دیکھی نہ گئی تو جس حق پرست گروپ کو کانگریسی ہندوؤں نے "پنجابی ٹولی" کہہ کر بدنام کر رکھا تھا۔ یہ بھی اُنہیں سے آملے یہ لوگ اپنے دائرہ میں اہلِ علم اور اپنے ہم عصروں میں صاحبِ تقویٰ بھی تھے۔ ان کے پاس دولتِ دنیا تو یقیناً نہ تھی مگر دولتِ دین سے مالا مال اور ایثار و قربانی کے غیر فانی جذبوں سے سرشار تھے۔ یہی وہ طاقت تھی جس نے ان سچوں اور بہادروں کو ایک سلکِ مروارید میں پرو دیا اور یہ ہندوستانی نمرودوں کی دھکائی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑے انکی صداقتوں، وفاؤں اور صدق و صفا پر کسی کی سند کی ہرگز ضرورت ہی نہیں جو لوگ خود انگریزوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز رہے اور ہندوؤں سے وفا کی بھیک مانگتے رہے اور مرزائیوں کی پُشت پناہی پر کمر لیتہ رہے وہ اگر اِن حق پرستوں کو بُرا کہیں تو اُنہیں حق حاصل ہے کیونکہ احرار کے اِن بزرگوں نے انگریز سے وفاداریوں کے قلعوں پر تابڑ توڑ حملے کر کے نہ صرف اُنکی فصیلوں میں دراڑیں ڈالیں بلکہ انہیں کوچہ و بازار میں لا کھڑا کرنے پر بھی مجبور کر دیا کہ وہ محلاتی سازشوں کا جال کبھی نہ بن سکیں۔ سر سکندر حیات، سر فضل حسین، سر شفیع، سر فضل علی، ٹوانے، دولتانے، اور نون وغیرہ احرار کارکنوں کے سامنے بارہا مجبور ہوئے۔ احرار بزرگوں کی ساری کمائی پنجاب کی تیسری کلاس کے لوگ تھے جو جاگیرداروں، سیٹھوں اور ٹوڈیوں کی ستم رانیوں اور استبدادی رویوں کے پسے ہوئے تھے۔

یہ مسلمان نہ تو مسلم لیگ میں "پنپ" سکتے تھے اور نہ کانگریس میں کیونکہ کانگریس پر ہندو سرمایہ دار اور انگریز کے ایجنٹوں کا قبضہ و تصرف اور مسلم لیگ پر رافضی جاگیرداروں، انگریزوں کے خطاب یافتہ سروں، خان بہادروں اور مرزائیوں کا تسلط تھا۔ خود محمد علی جناح بھی آغا خانی (شمسی امامی) تھے۔ جو لوگ لیگ اور کانگریس کو مذہبی نسبتوں سے ماوراء سمجھتے، لکھتے اور باور کراتے ہیں اسکو اُن کی ذاتی رائے سمجھتا ہوں مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اس مختصر مضمون میں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں اس لئے چند شخصیتوں اور چند واقعات کا صرف ذکر کرتا ہوں۔ جنکی موجودگی میں احرار، لیگ یا کانگریس کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے۔ ضلع جھنگ کے سادات، ملتان کے سادات، سادات بارہ، راجہ صاحب محمود آباد، مظفر علی قزلباش، سر ظفر اللہ خان ان لوگوں نے ہمیشہ اکابرِ احرار کو مقدمات میں جکڑا۔ جھوٹی گواہیاں دلوائیں۔ احرار کارکنوں کو ہراساں کیا علاقہ بدر کیا اور انھیں متعصب مسلمان کہہ کر ان کی بھرپور مخالفت کی اور ان کے خلاف نفرتوں کی اُونچی دیواریں تعمیر کیں۔ کانگریس کے مُشرک وڈیروں نے احرار کو انتہا پسند مسلمان کہا اور ان کی بھرپور مخالفت کی۔ جمعیت العلماء ہند کی سیاسی کہہ مکرنیاں اُن سے گریز پائی کرنے پر مجبور کرتی رہیں اور اپنی منتخب راہ کے حق ہونے کا یقین بڑھاتی رہیں۔

[احرارِ وفادار! یہ اقتباس چودھری افضل حق کے ایک خطبہ سے ماخوذ ہے۔ ملاحظہ ہو]

محترم جمعیت العلماء کو لو کہ وہ ابتدا میں کانگریس کی اِمدادی جماعت تھی۔ وہ کانگریس کے فیصلوں پر مذہبی جواز کا فتویٰ دیکر مسلمانوں میں اسے محترم بناتی تھی مگر ۱۹۲۸ء میں دل برداشتہ ہوکر کانگریس سے الگ ہوئی لیکن آسمان سے گرا کھجور پر اٹکنے کا معاملہ ہوا۔ ایک سرمایہ داری کے نظام سے نکل کر دوسرے سرمایہ دار نظام کو مضبوط کرنے کا باعث ہوئی ایسی قابلِ عزت جماعت نے نہایت نیک نیتی سے اسلامی حقوق کے تحفظ کے لئے سر آغا خان اور سر محمد شفیع سے مل کر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ان مقدسین نے سرمایہ داری کی گلی سڑی لاشوں کو مسیحا نفسی سے زندہ کیا اور یہ مردا بادی مردے زندہ ہوکر بڑے دن ملت کی بربادی کا باعث بنے ہیں۔ مسلم کانفرنس نے نہ خود کچھ کام کیا نہ کرنے دیا پھر اسی تلخ تجربہ کے بعد جمعیت کو کانگریس کی طرف رجوع کرنا

پڑا اور ۱۹۳۲ء کی سول نافرمانی میں پھر کانگریسی امدادی جماعت کے طور پر کام کرنا پڑا مگر جلدی کانگریسی ذہن سے غیر مطمئن ہو کر پھر انگریز سرمایہ داروں کی پشت پناہی کرنا پڑی اور مسٹر جناح کی قیادت قبول کر کے لیگ کے حق میں سخت ترین فتویٰ شائع کیا جس کے باعث کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑے ہونیوالے مسلمانوں کو صاف شکست ہوئی اور لیگ ایک قوت بن گئی۔ (خطبات احرار ص۹۳-۹۴)

اس ملکی ماحول میں احرار نے اپنے لئے ایک بہت مشکل راستہ اختیار کیا جو نہ تو کانگریس پسند کرتی تھی نہ مسلم لیگ اور نہ جمعیت علمار ہند۔

چوہدری افضل حق فرماتے ہیں:

احرار دونوں جماعتوں کے انتہا پسندوں سے دل تنگ ہیں۔ کانگریس کی ادغام کلی اور لیگ کی اجتناب کلی کے درمیان مجلس احرار اسلام اعتدال کی سچی اور سیدھی راہ ہے احرار وطن عزیز کی آزادی کیلئے اُن تھک سپاہی ہیں اور ساتھ ہی ایثار و قربانی کی بنا پر اقوام ہند بلکہ ساری دنیا کی سرداری کے مستحق ہیں۔ کانگریس جب آزادی کی جنگ چھیڑے۔ ہم مقدمۃ الجیش ہیں جب صلح کرے ہم باندازۂ قربانی حقوق کے طالب ہیں اسی لئے جنگ آزادی کی شمولیت پر انگریزی مسلمان احرار کو کانگریس کی ایک شاخ سمجھتا ہے۔ (خطبات احرار ص۲۱)

مجلس احرار اسلام کے قیام کا بنیادی سبب ان دو جماعتوں کی یہی نفرت تھی کہ یہ دونوں نفرتوں کے انتہاؤں پر تھے اور اس کے پس منظر میں ہندوؤں، رافضیوں، ٹوڈیوں اور مرزائیوں کی وہ ملی بھگت تھی جو احرار حریت پسندوں کو کسی طرح قبول نہ کرتی تھی اور احرار اس کے لئے کسی موقع کی تلاش میں تھے جس کیلئے نہرو رپورٹ کو راوی میں غرق کرنے کے واقعہ کو بہترین موقع سمجھا گیا اور احرار کے قیام کے لئے اجلاس بلالیا گیا ان موضوعات پر گفتگو میں بہت پہلے ہو چکی تھیں۔ خصوصاً ۱۹۲۳ء میں میانوالی جیل میں رہا ہونے کے بعد اکابر احرار امرتسر، دلی اور لدھیانہ میں مل چکے تھے جس کا ذکر حضرت امیر شریعت اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے کئی مرتبہ کیا۔ جمعیت علمار کی سیاسی روش آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ پھر سب سے اہم بات یہ کہ اکابر احرار میں سے دو کے علاوہ باقی بزرگ کانگریس کے ابتدائی رکن بھی نہیں رہے چہ جائیکہ کانگریس کے ترجمان رہے ہوں۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۹ء تک اکابر احرار نے بھرپور جائزہ لیا اور

اپنی راہ عمل متعین کی۔ جس سے وسیع اختلاف کی گنجائش موجود ہے مگر ان کی نیک نیتی، اخلاص اور ایثار و قربانی کے بعد ان پر کیچڑ اُچھالنا کسی شریف آدمی کا کام نہیں ہے۔

مجلس احرار اسلام اور مسلم لیگ :

احرار اور لیگ کی آویزش اب یادِ ماضی کا درجہ رکھتی ہے لیکن "یادِ ماضی عذاب ہے یارب" اور حافظہ چھن جانے کی دعا کوئی بدنصیب ہی کرے گا میں کیوں کروں؟ میرا ماضی تو درخشندہ و تابناک ہے۔ اکابر احرار نے مسلم لیگ کے اکابر سے جو اختلاف کیا اس کا انہیں مکمل حق تھا اور لیگ والوں کو بھی ویسا ہی حق! مگر اس بات کی کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اس اختلاف کو اسلام اور کفر کی جنگ سے تعبیر کرے یا بد زبانی اور شخصی توہین کا ارتکاب کرے۔ خصوصاً جب حضرت امیر شریعت نے لاہور موچی دروازہ کے باغ میں ایک تاریخی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ۱۹۴۹ء میں اپنی سیاسی رائے کی شکست کا اعتراف کر لیا تھا البتہ یہ بھی ساتھ ہی فرمایا "میں اب بھی اپنی رائے کو صحیح سمجھتا ہوں یہ الگ بات کہ میری رائے ہار گئی"

پھر بھی جو کچھ نسل لوگ پاکستان بن جانے کے ۴۲ برس بعد بھی گڑے مردے اکھاڑنے میں مصروف ہیں اور بکواس کو تاریخ کا نام دے رہے ہیں ان کے جواب اور نئے احرار ساتھیوں کی فکری توانائی کے لئے احرار اور لیگ کے اختلاف کی اصل تصویر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکابر احرار فکری اعتبار سے ایک ایسی اساس کے قائل ہیں کہ انہیں جو بات اس کے خلاف یا اس سے متصادم نظر آتی تھی وہ اس سے بھڑ جاتے تھے اور اس کو ہر نوع غلط قرار دیتے تھے۔ احرار اپنے بارے میں کیا کہتے ہیں :

" وہ باتیں جن میں دنیاوی حب و جاہ کا فقدان ہے اُن دماغوں کو اپیل نہیں کر سکتیں جو بدقسمتی سے قرآن کی حقیقتوں کے قریب نہیں۔ قرآن مجید و حدیث رسول کی حقیقتیں اور اصطلاحات و مفاہیم جب تک دل کی گہرائیوں سے نہ اُتر جائیں اور اُن پر کامل دسترس ہو اُس وقت تک دینی انقلاب کے مطالب سمجھ میں نہیں آسکتے، دینی اقتدار اور حکومت ہی کی دعوت احرار درِ اصل ابراہیمیوں کو اُن کی اپنی مرکزیت کی طرف بلانا ہے جس کی خوبصورتی یوں کی ہولناک گردشوں کے باوجود شگفتہ و رعنا ہے" (مفاہیم)

احرار ریسٹ کے بارے میں کہتے ہیں :